راستہ............ (افسانہ)

سلام بن رزاق

بادشاہ بہت پریشان تھا۔ اُس کی پریشانی دن دونی رات چوگنی بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے وزیروں سے مشورے کیے۔ افسروں سے رائے طلب کی۔ صلاح کاروں سے صلاح لی۔ کئی منصوبے بنائے، کئی تدبیریں آزمائیں مگر سب بے سود۔ نہ کوئی منصوبہ بارآور ہوسکا نہ کوئی تدبیر ہی کارگر ہوئی۔ بدعنوانی اور رشوت ستانی کسی وبا کی طرح پورے ملک میں پھیلتی جارہی تھی۔ ملک کا اقتصادی ڈھانچہ اس قدر کھوکھلا ہوگیا تھا کہ لگتا تھا پورا ملک کسی بھی وقت ریت کے گھروندے کی طرح بھرُ بھرُا کر ڈھے جائے گا۔ لوگ رشوت خوری کے اتنے عادی ہوگئے تھے کہ اگر کسی دن انہیں رشوت نہ ملتی تو سمجھتے زندگی کا ایک دن اکارت گیا۔ سنتری سے لے کر منتری تک ہر کوئی رشوت لینے کو اپنا حق سمجھتا۔ رشوت کا رواج ایک قدر کے طور پر پورے ملک میں رائج ہوگیا تھا۔ قانون بے بس تھا کیوں کہ ' لے کے رشوت پھنس گیا ہے دے کے رشوت چھوٹ جا، کا مہا منتر ہر ایک کو زبانی یاد تھا جس کے سبب ہر کوئی قانون کی گرفت سے یوں نکل جاتا جیسے چھلنی سے پانی یا مٹھی سے ریت۔

اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے بادشاہ کے رہے سہے ہوش بھی اُڑا دیے۔

ہوا یہ کہ پچھلے دنوں بادشاہ بیمار ہوگیا۔ علاج معالجے کے بعد جب غسلِ صحت سے فارغ ہوا تو اس نے صدقے کے طور پر اپنے وزن کے برابر سونے کی اشرفیاں تلوائیں اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ انہیں غریب غرباء میں تقسیم کردے۔ وزیر اعظم ایک کائیاں............ اس نے آدھی اشرفیاں خود رکھ لیں اور باقی آدھی شہر کوتوال کے حوالے کیں۔ شہر کوتوال بھی کم سیانا نہ تھا۔ اس نے اپنے حصے کی آدھی اشرفیاں نکال لیں اور باقی اپنے نائب کے سپرد کیں۔ نائب نے اپنا حصہ الگ کرلیا اور بچی ہوئی اشرفیاں اپنے ماتحت کو دیں۔ اس طرح گھٹتے گھٹاتے آخر میں صرف ایک اشرفی بچی جو ایک فقیر کو خیرات کردی گئی۔ بادشاہ کو اس کے معتبر، مخبروں نے جب یہ خبر دی تو اس کی تشویش میں دوچند اضافہ ہوگیا۔ جب کھیت کی باڑھ ہی کھیتی کھانے لگے تو کسان کی بے بسی معلوم۔

پرانے زمانے میں جب بھی کسی بادشاہ یا راجہ کو کوئی لاینحل مسئلہ درپیش ہوتا۔ وہ دو کام کرتا۔ یا تو شطرنج کھیلنے

بیٹھ جاتا یا شکار پر نکل جاتا۔ بادشاہ نے بھی غور کیا۔ شطرنج کھیلے کہ شکار پر جائے۔ جہاں تک شطرنج کا سوال تھا اس نے دو ایک بار وزیر اعظم کے ساتھ شطرنج کھیلنے کی کوشش کی تھی مگر وزیر اعظم کو بدعنوانی کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ وہ کھیل میں بھی اس بدعادت سے باز نہ آتا۔ جوں ہی بادشاہ کی نظر چوکتی، وہ مہرے بدل دیتا۔ بادشاہ کو بڑی کوفت ہوتی مگر مروّت کے مارے اس کی چالاکی کو زندہ مکھیّ کی مانند نگل جاتا۔ بادشاہ طبعاً نیک خو اور عالی ظرف تھا۔ اتنی معمولی سی بات کے لیے وزیر اعظم کو ٹوکنا اس کی غیرت کو گوارا نہ تھا اور وزیر اعظم کے سوا کسی اور کے ساتھ شطرنج کھیلنا اس کی شان کے خلاف تھا۔ لہٰذا بادشاہ نے شطرنج کو طاق پر رکھا اور شکار پر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھی تنہا.................. تنہا اس لیے کہ وہ شکار سے دل بہلانے کے علاوہ حالیہ در پیش مسئلہ پر غور و فکر بھی کرنا چاہتا تھا۔

ایک دن علی الصبح بادشاہ اٹھا۔ شکار کا لباس زیب تن کیا۔ ہتھیار سجائے۔ اصطبل سے اپنے چہیتے گھوڑے کو نکالا اور اس پر سوار ہو کر جنگل کی سمت روانہ ہو گیا۔ گھوڑا سبک رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ ٹھنڈی فرحت بخش ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ جنگل گھوڑے کی ٹاپوں سے گونجنے لگا۔ درختوں پر پرندوں کی مضطربانہ پھڑ پھڑاہٹ تیز ہو گئی۔ جنگلی جانور گردنیں اٹھا اُٹھا کر چوکنی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے مگر وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ اپنی سوچو ں میں گُم اور فکر میں غلطاں چلا جا رہا تھا۔ رہ رہ کر اسے خیال آتا کہ وہ ملک کا حاکم ہے مگر ملک کے لوگوں نے اس کا کیا حال کر دیا ہے؟ کہ وہ کسی آوارہ بگولے کی مانند بے سمت و ارادہ بھٹک رہا ہے۔ اپنی بے چارگی پر اس نے تاسّف کیا۔ مگر پھر کمال ضبط سے اس پر قابو پا لیا۔

چلتے چلتے سورج سر پر آ گیا۔ بادشاہ اور گھوڑا دونوں پسینے میں نہا گئے۔ بادشاہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ گھوڑا بھی بری طرح ہانپ رہا تھا۔ بادشاہ نے لگام کھینچی۔ گھوڑے کی رفتار کم ہوئی۔ گھوڑا دلکی چال چلنے لگا۔ بادشاہ نے پانی کی جستجو میں چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک جھرنا بہہ رہا تھا۔ بادشاہ گھوڑے سے اترا۔ جھرنے پر گیا جی چھک کے پانی پیا۔ منہ پر پانی کے دو چار چھپاکے مارے۔ گھوڑے کو بھی پانی پلایا۔ پھر گھوڑے کی لگام تھامے ایک طرف چلنے لگا۔

دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ چاروں طرف جنگل بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ وہ بے خیالی میں بہت دور نکل آیا تھا۔ اب

اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ کس سمت سے چلا تھا اور اسے کس سمت جانا ہے۔ وہ راستہ بھٹک گیا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اسے سامنے میدان میں کچھ بھیڑیں نظر آئیں۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ گھاس چر رہا ہے اور چرواہا ایک درخت کے سایے میں لیٹا، ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ آہٹ پا کر چرواہا اٹھ بیٹھا۔ بادشاہ پر نظر پڑتے ہی حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ اس نے بادشاہ کو پہچان لیا۔ بادشاہ قریب آیا اور چرواہے سے پوچھا۔

”بھائی چرواہے! میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔ یہاں سے شہر کتنی دور ہے؟“ چرواہے نے سر جھکا کر جواب دیا۔

”حضور پر میری جان صدقے.......... مشرق کی سمت سیدھے چلے جائیں تو ایک گھنٹے میں شہر پہنچ جائیں گے۔“

بادشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے مُڑا۔ تبھی اس کی نظر سامنے ایک درخت پر پڑی جس کی شاخ پر رسّی کے پھندے سے ایک کتّے کی لاش جھول رہی تھی۔ بادشاہ ٹھِٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کتّے کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے حیرت سے پوچھا۔

”کیوں بھائی! اس کتے کو کس نے پھانسی دی؟“

پہلے تو چرواہا ہچکچایا پھر ادب سے جھک کر بولا۔ ”سرکار! میں نے.................“

”اس کا قصور؟“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے سرکار.................“

”ہم یہ کہانی ضرور سنیں گے.................“

چرواہا تھوڑی دیر تک گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہا۔ مگر بادشاہ کا حکم................. اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور یوں گویا ہوا۔

”حضور! یہ کتّا میری بھیڑوں کا رکھوالا تھا۔ مجھے اس پر اتنا بھروسا تھا کہ یہ میری غیر حاضری میں بھی بھیڑوں کو چرانے لے جاتا اور پوری چوکسی کے ساتھ بھیڑوں کی رکھوالی کرتا۔ ایک دن شام کو جب بھیڑوں کا ریوڑ گھر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بھیڑ کم ہے۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملی۔ اس کے بعد تو یہ معمول بن گیا۔ ہر دو چار دن بعد ایک

بھیڑ کم ہونے لگی۔ مجھے شبہ ہوا۔ ہو نہ ہو یہ حرکت پڑوس کے کسی چرواہے کی ہے۔ دوسرے دن میں جنگل میں ایک پیڑ پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ بھیڑیں چر رہی تھیں اور کتّا ایک اونچی چٹان پر کھڑا رکھوالی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سامنے جھاڑیوں میں کچھ سرسراہٹ سی ہوئی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ غور سے دیکھا تو گھنی جھاڑیوں میں ایک بھیڑیے کا سر دکھائی دیا۔ کتّے نے بھی اسے دیکھ لیا اور تیر کی طرح اس پر جھپٹا۔ میں سمجھا اب کتّے اور بھیڑیے میں گھمسان کی جنگ ہو گی مگر یہ کیا؟................ جھاڑیوں میں داخل ہوتے ہی کتا بھیڑیے کی شرمگاہ کو سونگھنے اور چاٹنے لگا۔ دراصل وہ مادہ بھیڑیا تھی۔ تھوڑی دیر بعد میری چشم حیرت نے وہ منظر دیکھا جو آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو گا۔ کتّا اس بھیڑیے کے ساتھ مباشرت کر رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ کیسی انہونی ہے۔ جب کتّا اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو جھاڑیوں میں ایک طرف کو چلا گیا اور مادہ بھیڑیا پاس چرتی ایک بھیڑ کو دبوچ کر چلتی بنی۔ کافی دیر بعد کتا جھاڑیوں سے باہر نکلا اور پہلے کی طرح چوکسی کے ساتھ بھیڑوں کی نگرانی کا دکھاوا کرنے لگا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ میں سب کچھ سمجھ گیا حضور! میں نے فوراً اپنے لڑکوں کی مدد سے رسّی کا پھندا بنایا اور کتے کے گلے میں ڈال کر اسے پھانسی دے دی۔"

بادشاہ حیرت سے منہ کھولے چرواہے کی یہ عجیب وغریب کہانی سن رہا تھا۔ کہانی ختم ہو گئی۔

چرواہا پوچھ رہا تھا۔

"ایسے بے ایمان کی کم سے کم سزا پھانسی کے سوا کیا ہو سکتی ہے حضور؟"

بادشاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گم سُم کھڑا خالی نگاہوں سے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دماغ میں جھماکے سے ہو رہے تھے۔ جیسے اندھیرے میں بجلیاں کوند رہی ہوں۔ اسے محسوس ہوا۔ اچانک اس کے ذہن سے تردّد کا سارا غبار دُھل گیا ہے اور اس کا دل کسی نو شگفتہ پھول کی مانند کھل گیا ہے۔ چرواہے نے پھر پوچھا۔

"حضور! کیا میرا فیصلہ غلط تھا؟"

بادشاہ چونکا، اس نے چرواہے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں چرواہے! تمھارا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔" پھر اپنی انگلی سے ہیرے کی انگوٹھی نکالی اور اسے دیتے ہوئے

کہا، ”یہ تمھارا انعام ہے۔“

چرواہے نے ادب سے کہا۔ ”کس بات کا انعام حضور!“

”راستہ بتانے کا.................“

اور اس سے پہلے کہ چرواہا مزید کچھ کہتا۔ بادشاہ نے گھوڑے کو ریڑ لگادی۔

....

دوسرے دن علی الصبح جب شہر کے لوگوں کی آنکھ کھلی تو انہوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔ شہر کے ہر چوراہے پر درجنوں پھانسی کے پھندے لٹک رہے تھے اور بادشاہ کا خاص معلن اعلان کرتا پھر رہا تھا۔

”بستی والو! ملک خُدا کا حکم بادشاہ کا۔ ہر خاص وعام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آج کے بعد جو شخص بھی رشوت لیتا ہوا یا دیتا ہوا پایا جائے گا۔ اسے بیچ چوراہے پر پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔“

شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ لوگ گھروں سے نکل نکل کر چوراہوں پر جمع ہونے لگے۔ پھانسی کے خالی پھندے ہوا کے جھونکوں سے جھول رہے تھے۔ ابھی کسی کو پھانسی پر لٹکایا نہیں گیا تھا مگر ہر شخص کو کسی نہ کسی پھندے پر اپنا نام لکھا نظر آرہا تھا۔

کہنے والے کہتے ہیں۔ اس کے بعد ملک سے بدعنوانی کا خاتمہ ہوگیا۔ رعایا خوش حال ہوگئی۔ چاروں طرف مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔

جیسے ان کے دن پھرے................. ویسے خدا سب کے دن پھیرے۔

☆☆☆